خصوصیات صحابہ کرامؓ قرآن حکیم کی روشنی میں (۳)

مولانا سید اخلاق حسین قاسمی دہلوی

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے بارے میں احترامِ قانون کی سختی

رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو شارحِ دین اور شاہدِ دین تھے وہ مومنِ دین بھی تھے۔ حضورؐ کو بھی آمرِ مطاقؐ اور حاکمِ حقیقیؐ کی طرف سے قانونِ الٰہی اور شریعتِ خداوندی پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے جس امّتِ مسلمہ کے لیے دعا کی تھی آپؐ کی ذاتِ اقدس بھی اس امت میں داخل تھی۔ اس امّت میں جس رسولؐ کی بعثت کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے درخواست کی تھی اس کے الفاظ بھی یہی تھے: "رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ" (اس امت میں سے ان کی ہدایت کے لیے ایک رسول مبعوث فرما!)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایتِ خداوندی کے مطابق اپنے آپ کو "اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ" (الانعام، ۱۶۳) فرمایا۔ آپؐ کو حکم دیا گیا:

قُلْ اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ (الشوریٰ: ۱۵)

"اے نبی! اعلان کر دو کہ میں خود بھی خدا کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لایا ہوں ہے"

اور مجھے بحیثیت ایک نائب و خلیفہ تمہارے اندر انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ (الشوریٰ:۱۵)

اور اگر کسی موقعہ پر اجتہادی سہو ہو گیا تو حاکمِ حقیقی کی طرف سے آپ کو ٹوکا گیا:

لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (التحریم ۱:)

یعنی اے نبی! تم نے خدا کی حلال کی ہوئی چیز (شہد) کو نہ کھانے کا عہد کر کے اسے حرام کیوں کر لیا؟ پھر آپؐ نے کفارۂ قسم ادا کر کے اس عہد کو ختم کیا۔

رسولِ پاکؐ معصوم تھے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ سے کبھی کوئی گناہ اخلاقی یا شرعی سرزد نہیں ہوا، البتہ اگر کبھی کسی مصلحت کے تحت اجتہادی غلطی سرزد ہوئی تو وحیٔ آسمانی نے اس کی اصلاح کر دی اور آپؐ کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ پھر ائمۂ اہلِ بیت کے حق میں معصوم ہونے کا عقیدہ کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا وہ اجتہادی غلطیوں سے بھی محفوظ تھے؟ تو پھر ان کا مقام تو نبوت سے بھی بلند ہو گیا اور درجۂ الوہیت تک پہنچ گیا۔ اور اگر بشریت کے تقاضے سے وہ حضرات اجتہادی سہو میں مبتلا ہوئے تھے، تو پھر اس سہو و غلطی کی اصلاح کیسے ہوتی تھی؟ کیا ان پر بھی وحیٔ آسمانی کا نزول ہوتا تھا؟ دلی کے مشہور تاریخی کالج (دلی کالج اجمیری گیٹ) کے پرانے پرنسپل سید موسوی صاحب نے ایک روز اپنے شاگردوں سے کہا: "ہم امت نہیں، امت سے اپر کلاس ہیں۔" ساداتِ کرام کی عظمت بیان کرتے ہوئے یہ فقرے کہے۔

یہ وہی تصور ہے جو بنی اسرائیل کے اندر دوسری قوموں کے مقابلہ میں پھیلا اور شیعہ صاحبان نے اس تصور کو پوری امتِ محمدیہ کے مقابلہ میں اپنے لیے وجہِ فخر قرار دیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ سیاسی غلطی تھی کہ انہوں نے خلافت کا نظام مستحکم ہونے سے پہلے ہی سابق گورنروں کو معزول کرنا شروع کر دیا۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے انہیں مشورہ دیا کہ ابھی خونِ عثمان رضؓ کی شورش بپا ہے، ابھی آپؓ گورنروں میں ردّ و بدل نہ کریں، خاص کر امیر معاویہ رضؓ کو نہ چھیڑیں، لیکن حضرت علی رضؓ کا جوش (جو اگرچہ جذبۂ حق تھا) باز نہ آیا اور آپ نے حضرت معاویہؓ کو شام کی گورنری سے معزول کر کے خلافت میں انتشار کی دعوت دیدی۔ یہ اجتہادی غلطی کی مثال ہے۔ اس فیصلہ میں حضرت علیؓ کی بری نیت کا کوئی دخل نہ تھا۔

امتِ مسلمہ کے دو دور، بنی اسماعیل اور خیرِ امت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس اُمتِ مسلمہ کی دعا کی تھی اسے اپنی اولاد اور ذرّیت میں سے منتخب کرنے کی درخواست فرمائی تھی:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ

(البقرہ : ۱۲۸)

"اے ہمارے رب! ہم دونوں (باپ بیٹوں) کو اپنا فرماں بردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی اپنی ایک فرمانبردار امت بنا"

آپؑ نے اسی فرماں بردار امت میں سے ایک نبی مبعوث فرمانے کی درخواست کی: وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ۔ (البقرہ : ۱۲۹)

"اور ان میں ایک رسول مبعوث فرمائیو انہی میں کا"

خیرِ امت، عالمگیر اُمت، اصولی جماعت

یہ امتِ مسلمہ حضرت اسماعیلؑ اور ان کے بعد نبی آخر الزماںؐ تک ذرّیتِ ابراہیم کے دائرہ میں محدود رہی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعاء کو خاتم الانبیاءؐ کی صورت میں قبول فرمایا۔ آخری رسول عالم گیر رسول تھے، اس لیے آپؐ کی نسبت سے وہ امتِ مسلمہ ایک عالم گیر امت کی حیثیت سے کھڑی ہوئی۔ قرآن کریم نے اسے "خیرِ امت" اور "امۃً وسطاً" قرار دیا، یعنی جس امت میں بھلائی اور خیر ہو اور جو امت اپنے فکر و عمل میں اعتدال پسندی کی راہ پر گامزن ہو۔ (البقرہ: ۱۴۳) اور یہ خیرِ امت ہر قسم کے رنگ و نسل کے بھید بھاؤ کے بغیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے منصب پر فائز کی گئی۔ (آل عمران: ۱۱۰)

خیرِ امت کا اوّلین مصداقِ کامل: جماعتِ صحابہؓ

آل عمران کی اس آیت کی تفسیر میں امام ابنِ کثیرؒ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کا یہ ارشادِ گرامی نقل کیا ہے۔ ابولہب کی بیٹی حضرت درّہ روایت کرتی ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا، جبکہ آپؐ اپنے منبر پر رونق افروز تھے۔ اس نے پوچھا:

"یارسولَ اللہ! ایُّ النَّاس خیرٌ ؟" قال: "خیرُ النَّاسِ أقرأُهم و اَتقاهم لِلّٰہ وآمرُهم بالمعروف وأنهاهم عن المنکر وأوصلُهم للرّحم۔"

"حضورؐ! لوگوں میں بہتر کون ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "لوگوں میں بہتر وہ ہے جو ان میں کتابِ الٰہی کا زیادہ عالم ہو، خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہو، بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں ان سے آگے ہو، اور قرابت داری کا حق ادا کرنے میں بھی سب سے بڑھ کر ہو۔"

حضورؐ کی اس تشریح میں اس امت کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں اور اس خیرِ امت کے عالمگیر اصولی جماعت ہونے کی طرف واضح اشارہ کیا گیا ہے۔ تفسیر مدارک میں امام سدی کے حوالے سے حضرت عمرؓ کا یہ قول منقول ہے:

"ھی للاصحاب خاصۃ لقولہ کنتم ولو قال انھم یعم کلنا۔"

یعنی خیرِ امت سے صحابہ کرامؓ مراد ہیں، کیونکہ "کُنْتُمْ" خطاب حاضر ہے (اور مخاطب حاضر جماعتِ صحابہ ہے) اگر "کُنْتُمْ" کے بجائے "اَنتُمْ" یعنی ضمیر غائب ہوتی تو تمام اہلِ ایمان مراد ہوتے۔ (ابنِ ابی حاتم)

مسند احمد میں حضرت ابنِ عباسؓ کا ایک اثر یہ مروی ہے کہ:

"ھُمُ الّذِینَ ھَاجَرُوا مَعَہٗ صلی اللہ علیہ وسلّم"

یعنی خیرِ امت سے مراد مہاجرین ہیں۔ (حاشیہ جلالین ۵۸)

حافظ ابنِ کثیر کا فیصلہ یہ ہے کہ خیرِ امت صرف صحابہ کرامؓ کی جماعت نہیں ہے بلکہ پوری امت مراد ہے، البتہ فضیلت و خیریت کے درجات مختلف ہیں، جیسا کہ

حدیث میں آتا ہے :

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ"

یعنی سب سے بہتر زمانہ میرا ہے۔ یہ دورِ صحابہؓ ہے، پھر اس سے متّصل زمانہ ــــ یہ تابعین کا دور ہے، پھر اس سے متصل ــ یہ تبع تابعین کا عہد ہے۔

حضرت عمرؓ کا مقصد بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ خیرِ امت کا اعلیٰ مصداق مہاجرین کی جماعت ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ صحابہؓ کے بعد کا دور خیرِ امت کے لقب سے محروم ہے۔

ایک حدیث میں حضورؐ نے اپنی نبوت کے پانچ امتیازات بیان فرمائے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے :

وَجُعِلَتْ اُمَّتِيْ خَيْرَ الْاُمَمِ

" میری امت تمام امتوں سے بہتر ہے "

شخصی نسبت سے احتراز

قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ کے چھوٹے صاحبزادے (اسحاقؑ) کی اولاد کو حضرت یعقوبؑ ابنِ اسحاقؑ کی نسبت سے بنی اسرائیل کہا ہے۔ لیکن دوسرے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کو بنی اسماعیلؑ اور بنی محمدؐ نہیں کہا۔ سورۃ الاحزاب کی مشہور آیت "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ" میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو ایمان والوں کی ماں کہہ کر التزامی دلالت کے پیرایہ میں حضورؐ کو ایمان والوں کا باپ کہا ہے۔ حضرت عبداللہ ابنِ مسعودؓ کی قرأت میں " وَهُوَ اَبُوْهُمْ " (اور وہ نبیؐ ان کا باپ ہے) موجود ہے، لیکن دلالتِ صریح والی اس قرأت کو قرأتِ مشہور نہیں بنایا گیا، کیونکہ احتیاط اسی میں تھی۔ اس آیت میں بھی باپ اور ماں کی نسبت تعظیمی اور احترامی ہے، نہ کہ نسبی اور صلبی۔ نسبی نسبت کی واضح طور پر سورۃ الاحزاب

ہی کی آیت نمبر ۴۰ میں نفی کر دی گئی :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۰

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کی تشریح میں لکھا ہے :

"یعنی کسی کو اس کا بیٹا نہ جانو مگر رسول اللہ کا ہے، اس حساب سے سب اس کے بیٹے ہیں۔"

یعنی حضورؐ اپنی امت کے روحانی باپ ہیں اور ایک استاد کا درجہ باپ سے زیادہ ہوتا ہے۔ شخصی نسبت سے یہ احتراز اس لیے کیا گیا ہے کہ اس سے شخصیت پرستی پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

توحید کی حفاظت کے لیے جس طرح اسلام نے شخصی نسبت سے احتراز کیا ہے اسی طرح قرآن کریم نے ایک بڑی اہم احتیاط بھی کی ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو جہاں اور جن آیات میں حج کعبۃ اللہ کی ہدایت کی ہے وہاں "بیت اللہ" کی نسبت نہیں ہے۔ کہیں "اوّل بیت" ہے، کہیں "بیت العتیق" اور "بیت الحرام" ہے۔ خدا کے گھر کی نسبت میں ایک لامکان ذات کی طرف مکان کی نسبت ہو جاتی ہے۔ یہ تاویل کے درجہ میں تعظیمی نسبت سہی، لیکن قرآن نے احتیاط کا پہلو اختیار کیا ہے۔

تنظیمِ اسلامی کی انقلابی دعوت کا نقیب

ماہنامہ میثاق لاہور

زیرادارت: ڈاکٹر اسرار احمد

فی شمارہ ۵/- روپے   سالانہ زرتعاون ۵۰/- روپے